جلد 1 شمارہ 2 — مئی 2001ء

چیلنج

ایڈیٹر: عذرا طلعت سعید

سرمائیدارانہ مفادات .... اور تحفظ خوراک

آج ایسا لگتا ہے قدرت نے انسان کے خلاف بغاوت کردی ہے۔ جس کا ثبوت پچھلے چند سالوں سے قدرتی آفات کا بڑھتا ہوا سلسلہ ہے۔ جس میں جگہ جگہ شدید سیلاب، زلزلے اور طوفان شامل ہیں۔ وہ علاقے جہاں قدرتی ماحول بڑا سازگار تھا، آج ماحولیاتی تبدیلی کی وجہ سے منفی اثرات کے زد میں ہیں۔ دنیا کے بہت سے حصوں میں پانی کی قلت کا مسئلہ اب شدت اختیار کر چکا ہے۔ ان سب چیزوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان نے جب بھی فطرت سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی قدرتی نظام میں بگاڑ پیدا ہوا۔ لیکن آج یہ سرکشی زمین کی طرف سے بغاوت میں بدل چکی ہے کیونکہ سرمائیدارانہ استحصال کے نتیجے میں زمین کی قوت برداشت اپنے آخری حدود کو چھو رہی ہے۔

کثیر القومی کمپنیاں اپنی سرمائیدارانہ سوچ کے ساتھ زمین کے وسائل کو آلودہ کرنے اور اس کے نتیجے میں ماحولیاتی بگاڑ پیدا کرنے کی اصل ذمہ دار ہیں۔ فضاء میں زہریلی گیسوں کا اخراج، جنگلات کی کٹائی اور اس کے نتیجے میں صحرائی علاقوں کی بڑھتی ہوئی وسعت، سب سرمائیدارانہ نظام کے تحفے ہیں۔ دنیا کا نہری نظام زہریلے کیمیائی اجزاء شامل ہونے کی وجہ سے آلودہ ہو چکا ہے۔ مختلف قسم کے جاندار آج شدید قسم کے خطرات سے دوچار ہیں، ہزاروں جاندار اس وقت دنیا سے ختم ہو چکے ہیں اور کئی ختم ہونے کی نہج پر پہنچ چکے ہیں۔

ان سب تباہ کاریوں کے درمیان آج دنیا ''گلوبلائزیشن'' کی طرف بڑھ رہی ہے، جو سرمائیدارانہ سوچ کی نئی ایجاد ہے۔ گلوبلائزیشن کی صدائیں آج سرمائیدارانہ مفادات کا تحفظ کرنے والے اداروں، آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور ڈبلیو ٹی او کی طرف سے سب سے زیادہ سنائی دے رہی ہیں۔ آجکل انہوں نے اپنی توجہ سرمائیدارانہ زراعت نافذ کرنے پر مرکوز کر رکھی ہے جو ہمارے لیے موت کا پیغام لانے کے برابر ہے۔ چند دہائیاں پہلے تیسری دنیا کو پستی سے نکال کر ترقی کی راہ پہ گامزن کرنے کے لیے سبز انقلاب کا نعرہ لگایا گیا، بالکل اسی طرح آج جنیاتی بیج کا شوشہ چھوڑا گیا جو پھر ہماری صحت اور خوراک کی ضروریات کو پورا کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور سبز انقلاب کی غلطیوں کا ازالہ کرنے کا بھی دعویدار ہے۔ اس خطرناک ایجاد کے خالق اپنے پروپیگنڈے اور پبلسٹی کے ذریعے اس پر ہر طرح کی تنقید کو دبانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سرمائیدارانہ نظام ایک طرف تو جمہوریت اور عوامی حکومت کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ زمین اور ماحول کو سرمائیدارانہ شکنجے سے چھڑا کر تحفظ فراہم کرنے کے لیے اٹھنے والی ہر آواز کو کچلنے کی بھی کوششیں کر رہے ہیں۔ حال ہی میں کینیڈا کے شہر کیوبک میں گلوبلائزیشن کے خلاف ہونے والے مظاہرے اس کی روشن مثال ہیں۔

پاکستان میں اس وقت سرمائیدارانہ زراعت کو فروغ دیا جا رہا ہے اور خیال یہ ہے کہ عنقریب اس کو متعارف کروایا جائے گا۔ اس طرح جدید زراعت کے نام پر ایک اور کڑوی گولی عام آدمی اور کسان کو نگلنی پڑے گی۔ پچھلے چند مہینوں سے ہمارے ملک کو کئی طرح کے ماحولیاتی خطرات سے دوچار ہونا پڑا، جس میں شدید خشک سالی، طوفانی بارشیں اور زلزلے وغیرہ شامل ہیں۔ سبز انقلاب کی وجہ سے ہمیں انتہائی شدید منفی اثرات بھگتنے پڑے ہیں جس کی وجہ سے ہی آج ہمارے دیہی اور شہری علاقوں میں تحفظ خوراک کا مسئلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ آج وہ ہاتھ جن کی محنت سے امیروں کے گھر دولت کے انبار لگتے ہیں خود اپنے لیے دو وقت کی روٹی کا بندوبست بھی نہیں کر سکتے اور اب اندیشہ ہے کہ سرمائیداردارنہ زراعت کے ساتھ جنیاتی بیج آنے سے ان کی حالت زار اور بھی پستی میں چلی جائے گی۔ ان مصائب و مشکلات سے بچنے کے لیے ہم سب کو دنیا بھر میں گلوبلائزیشن اور اسکے پیچھے سرمائیدارانہ مفادات کے خلاف ہونے والی جنگ میں شامل ہونا پڑے گا ورنہ دوسری صورت میں ہمیں بھوک اور ہماری زمین کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

فہرست مضامین

سبز انقلاب اور تحفظ خوراک 2

تحفظ خوراک کیا ہے؟ 5

کارپوریٹ فارمنگ اسباب و اثرات 11

عالمی زراعتی معاہدہ اور تیسری دنیا 6

جس کھیت سے میسر نہ ہو دھقان کو روزی. 9

چیلنج روٹس فار ایکوٹی (Roots for Equity) نے ایچ بی ایف کے تعاون سے شائع کیا ہے۔

سیکرٹریٹ: A-113 بلاک 13-D گلشن اقبال کراچی

فون، فیکس: 9267 497 21 92+؛ ای میل: roots@super.net.pk

فیلڈ یونٹ: پلاٹ نمبر 46 گلشن فیض-II، ٹنڈو محمد خان، فون 0224-42373

سبز انقلاب اور تحفظ خوراک

تحریر : ساجد حسین خاصخیلی

جب تک انسان نے فطرت میں مداخلت نہیں کی تھی اور قدرتی توازن کو ابھی نہیں چھیڑا تھا یہ زمین اسکی ساری ضروریات پوری کرتی تھی۔ فضاء صاف ہوتی تھی، دریا اس کو اور اسکے فصلوں کو صاف پانی فراہم کرتا تھا۔ نیز قدرت کا قانون اس طرح ایک متوازن نظام میں چلتا تھا جس میں کسی چیز کی زیادتی اور کمی کی گنجائش نہیں تھی۔

زمین اپنی فصل کی اس طرح پرورش کرتی تھی جیسے ماں اپنے بچے کی کرتی ہے۔ وہ اس کو ہر طرح کی خوراک فراہم کرتی تھی، دریاؤں کا پانی جو ہزاروں میلوں کی مسافت طے کرتے ہوئے اپنے اندر ہر طرح کی جڑی بوٹیاں اور مختلف قسم کے قدرتی اجزاء جذب کر کے فصلوں کو اسی طرح طاقتور بناتا جیسے ماں کا دودھ بچے کو تندرست بنا کر اس میں قوت مدافعت پیدا کرتا ہے۔ جس طرح پیٹ میں بچہ اپنی خوراک کی ساری ضروریات ماں کے جسم سے حاصل کرتا ہے، اسی طرح فصل بھی جب زمین پر کھڑی ہوتی ہے تو اپنے خوراک کی اکثر ضروریات زمین کے اندر سے حاصل کرتی ہے۔ یوں ہر چیز قدرت کے قانون کے تحت تھی اور یہ ایک ایسا نظام تھا کہ جس میں کوئی چیز بھی ضائع نہیں ہوتی تھی۔

مگر اب تیسری دنیا میں عام طور پر اور پاکستان میں خاص طور پر جب ہم حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ وہ کسان جو اپنی زمین کو اپنی ماں کا درجہ دیتا تھا آج اس پر زہر چھڑک رہا ہے۔ وہ دریا جنکا پانی کبھی ہماری فصلوں کو طاقت بخشتا تھا، آج خشک ہو کر ریت کے صحرا بنتے جا رہے ہیں اور جو تھوڑا بہت پانی آ رہا ہے وہ بھی گدلا اور زہریلا ہے۔ وہ زمین، جو کبھی فصل کی ضروریات خود ہی پوری کرتی تھی آج مصنوعی کھاد کی مرہون منت ہو کر رہ گئی ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس طرح کے حالات کیوں اور کس نے پیدا کیے ہیں؟ یہ سیم تھور سے متاثرہ بنجر زمینیں، مصنوعی کھاد، زہریلی دوائیں، غیر قدرتی بیج، زہریلی خوراک، یہ سب کہاں سے متعارف ہوئے؟ جب ہم پچھلے ہزاروں سالوں سے قدرتی طریقوں سے کھیتی باڑی کر رہے تھے، تو یہ غیر قدرتی طریقے کیوں متعارف کروائے گئے؟ اس سے کس کو فائدہ پہنچا، کیا کسان کو؟ جس کی حالت اتنی بگڑ گئی ہے کہ وہ اپنے لیے دو وقت کی روٹی کا انتظام بھی نہیں کر سکتا یا ان کمپنیوں کو جو یہ ساری زہریلی ادویات، مصنوعی کھاد، بیج وغیرہ بناتیں ہیں۔ اگر اس نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ ایک منظّم سازش لگتی ہے اس طبقے کی جس کا مقصد منافع کمانے کے سوا کچھ نہیں اور جسے انسان اور اسکی ضروریات سے کوئی غرض نہیں ہے۔ جنہیں قدرتی ماحول کی تباہی، عام انسانوں کی بھوک اور ان کی دوسری ضروریات سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ ہم سب نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ منافع خور طبقہ جب کوئی چیز بناتا ہے تو اسکی میڈیا پر اس طرح تشہیر کی جاتی ہے کہ گویا اس چیز کے استعمال سے ہماری زندگیوں میں انقلاب آ جائے گا۔ اسی طرح کسانوں کی زندگیوں میں خوشحالی کا انقلاب لانے کے لیے ۱۹۶۰ء کے شروع میں کچھ غیر ملکی امدادی ایجنسیاں اور نجی ادارے خاص طور پر Rockfeller اور Ford Foundation نے غریب ممالک کی زراعت کو جدید بنانے پر زور دیا اور کئی زرعی تحقیقی ادارے غریب ملکوں میں قائم کیے، انہی اداروں نے آگے چل کر ''سبز انقلاب'' کی داغ بیل ڈالی۔ اس انقلاب کا مقصد ان ملکوں میں روایتی اور قدرتی کاشتکاری، جو ہزاروں سال سے جاری تھی، کو سست اور غیر پیداواری ٹھہرا کر اس کی جگہ جدید کاشتکاری کا رواج ڈالنا تھا۔

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو وہ اپنی خوراک کی ضروریات میں خود کفیل تھا اور زراعت کا اسکی معیشت میں کلیدی کردار تھا۔ اس کے علاوہ دیہی علاقہ ملک کی ۸۰ فیصد آبادی پر مبنی تھا جس کی گذر اوقات کا واحد ذریعہ زراعت ہی تھا۔ اس کے بعد پاکستان اور انڈیا کے درمیان پانی کی تقسیم کے نتیجے میں پاکستان کو پانی کم ملا جس کی وجہ سے زرعی پیداوار کو خاصہ نقصان پہنچا۔ اس عرصے میں امریکہ نے پاکستان کو پی ایل ۴۸۰ (یہ ایک امریکی قانون تھا جس کا مقصد تیسری دنیا کے ممالک کو اناج کے نام پر امداد دے کر اپنا محتاج بنانا تھا) کے تحت گندم کی امداد دی اور اسی وقت سے ہماری تاریخ میں غلامی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا جو آج تک جاری ہے!۔

۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد جب خوراک کے ذخیروں میں انتہائی کمی واقع ہوئی اور امریکہ نے خوراک کی امداد بھی بند کر دی تو پاکستان نے زراعت میں روایتی اور قدرتی طریقوں کو چھوڑ کر جدید طریقے اپنائے۔ خوراک میں خود کفالت حاصل کرنے کے لیے اس وقت کے صدر ایوب خان نے پاکستان میں سبز انقلاب متعارف کروایا۔ دو اعلیٰ رکنی زرعی کمیٹیاں بنائی گئیں، ایک مغربی پاکستان کے لیے اور دوسری مشرقی پاکستان کے لیے اور ان کو یہ ٹارگٹ دیا گیا کہ وہ ایسے اقدامات کریں کہ ۱۹۷۰ء تک پاکستان میں زرعی پیداوار کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جا سکے تاکہ ہم خوراک میں خود کفیل ہو جائیں۔

ان کمیٹیوں کے پروگرام کے تحت مندرجہ ذیل باتوں پہ زور دیا گیا:

- ٹریکٹر، تھریشر اور دیگر زرعی مشنری کی خرید کے لیے آسان اقساط میں قرضے کی فراہمی۔
- زیادہ پیداواری بیج کی درآمد اور اسکے استعمال کو یقینی بنانا۔
- مصنوعی کھاد کے استعمال کو زیادہ سے زیادہ یقینی بنانا۔

● زہریلی کیڑے مار دوائیوں کا زیادہ سے زیادہ استعمال اور ان کا ہوائی چھڑکاؤ۔

اگر سبز انقلاب کے اثرات کا جائزہ عام طور پر ماحول اور خاص طور پر زمین اور کسان کی صحت کے حوالے سے لیا جائے تو خطرناک حقائق سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر

ا۔ زرعی مشنری کے استعمال نے ہاریوں کی اہمیت کم کردی اور وہ دیہات چھوڑ کر شہروں کا رخ کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس کے علاوہ ہاریوں میں سے عزم و ہمت، محنت کی لگن اور اعتماد کے فقدان کا سبب بھی زرعی مشنری کو کہا جاسکتا ہے۔

۲۔ سبز انقلاب کی دوسری بنیاد زیادہ پیداواری بیج پر تھی جس کو HYV کہا گیا جو کہ غیر ملکی کمپنیوں نے تحقیق کے بعد ایجاد کیا تھا۔ اس کے لیے کہا گیا یہ پیداوار دگنی کرسکتا ہے۔ اس لیے اگر تیسری دنیا کے ممالک جن کی پیداوار کا زیادہ تر انحصار زراعت پر تھا، خوشحالی چاہتے ہیں تو قدرتی اور روایتی بیج چھوڑ کر جدید اور زیادہ پیداواری بیج استعمال کریں۔ اس طرح وہ قدرتی بیج، جو ہزاروں سالوں سے اس خطئہ زمین پر کاشت کیا جاتا تھا، جس کی خاصیت یہ تھی کہ اس میں مقامی ماحول اور موسموں کے سرد اور گرم کا مقابلہ کرنے کی قدرتی طور پر قوت مدافعت تھی، جس سے یہاں کے زمین دوست کیڑے اور نباتات مانوس تھے اور جو اپنے اوپر ہونے والی کسی بھی بیماری کے حملہ کا مقابلہ کرسکتا تھا، کو دقیانوسی اور کم پیداواری کہہ کر اس کی جگہ جدید بیج کے استعمال کا مشورہ دیا گیا جو کہ زرعی لیبارٹریوں میں تیار کیا گیا تھا۔ ان بیجوں کے لیے یہاں کے ماحول اور موسم اجنبی تھے، جن سے دوست کیڑے غیر مانوس تھے اور جس میں اپنے اوپر ہونے والے کیڑوں اور مختلف بیماریوں کا مقابلہ کرنے کی قدرتی قوت مدافعت نہیں تھی۔ اس طرح اس بیج سے پیداوار حاصل کرنے کے لیے اس کی اس طرح حفاظت اور نگہداشت کرنی پڑی کہ جیسے کسی چھوٹے بچے کی کرنی پڑتی ہے، ان بیجوں کو مصنوعی کھاد جو کہ مختلف کیمیات اور گیسوں کے مرکب سے بنائی گئی تھی، کی زیادہ سے زیادہ ضرورت تھی، کیڑے مارنے کے لیے زہر کا چھڑکاؤ اور پانی کی وافر مقدار کی فراہمی وغیرہ۔ ان سب کے بعد جاکے کہیں پیداوار کو ممکن بنایا جاسکتا تھا۔ مگر ان مصنوعی اور مہنگے طریقوں کے استعمال کے جو اثرات زمین اور ماحول پر مرتب ہوئے ان کا اندازہ شائد کسان بیچارے کو اس وقت نہیں تھا۔

۳۔ کیمیائی کھاد کا زیادہ سے زیادہ استعمال جدید بیج کے لیے ضروری تھا۔ اس سے پہلے فصل اپنی خوراک کے سارے ذرائع زمین سے پوری کرتی تھی۔ کسان سال میں ایک دفعہ قدرتی کھاد ضرور ڈالتا تھا اور اس طرح زمین میں طاقت اور قوت پیدا ہوتی جس کی بنا پر فصل پنپتی تھی۔ مگر مصنوعی کھاد کے استعمال نے زمین کی یہ خصوصیت ختم کردی ہے اور اب جب تک مصنوعی کھاد نہ دی جائے پیداوار حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ ان تمام چیزوں کی وجہ سے زمین کی حیثیت اتنی رہ گئی ہے کہ وہ صرف فصل کو سہارا دے سکے باقی فصل کی ساری ضروریات کسان باہر سے مصنوعی کھاد وغیرہ ڈال کر پوری کرتا ہے۔

۴۔ سبز انقلاب کی چوتھی بنیاد کیڑے مار زہریلے اسپرے پر تھی کیونکہ زیادہ پیداواری بیج انتہائی نازک ہوتا ہے اور اس میں موسموں کے سرد و گرم اور کسی بیماری کا مقابلہ کرنے کی قدرتی طاقت نہیں ہوتی زہریلا اسپرے اس لیے بہت ضروری سمجھا گیا تاکہ اس سے فصل پر حملا کرنے والے کیڑوں کا صفایا کیا جاسکے۔ گوکہ زہریلے اسپرے سے کیڑوں کے حملے کو ختم تو کیا جاسکتا ہے مگر اس سے فصل کے دوست کیڑے بھی ختم ہوجاتے ہیں کیونکہ زہر آخر زہر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جب کسان زہر کا اسپرے کررہا ہوتا ہے تو اس سے خود اسکی صحت کو کئی طرح کے خطرات لاحق ہوتے ہیں مثلاً زہر سانس کے زریعے اگر کسان کے اندر چلا گیا تو اسے بے ہوشی کے دورے پڑ سکتے ہیں یا مسلسل سر میں درد یا سر چکرانے کا مرض بھی لاحق ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر زہر اس کے ہاتھوں وغیرہ پر لگ جائے تو سخت جلن یا خارش ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کپاس کی چنائی یا جانوروں کے لیے گھاس وغیرہ کاٹنے کا کام عورتیں کرتی ہیں زہر ان کے ہاتھوں کو لگ جاتا ہے جس سے ان کی جلد کو ہزاروں قسم کی بیماریاں لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ گھاس کاٹتے ہوئے یا چنائی کرتے ہوئے کئی عورتیں زہر کے اثر کی وجہ سے کھیت میں بے ہوش ہوجاتی ہیں۔ اس کے علاوہ گائے، بھینسوں وغیرہ کے دودھ تک میں زہر کی کچھ مقدار پائی گئی ہے کیونکہ وہ بھی اسی کھیت کا چارہ کھاتی ہیں۔ دودھ بچے بڑے سب ہی پیتے ہیں جس سے مختلف قسم کی بیماریاں پھیلنے کا خطرہ رہتا ہے۔ یہ زہریلی دوائیں اتنی مہنگی ہوتی ہیں کہ کسان کی کمر توڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہر سال نئی زہریلی دوا مہنگے داموں مارکیٹ میں آجاتی ہے کیونکہ پرانی دوا کا مقابلہ کرنے کی کیڑوں نے اپنے اندر قوت مدافعت پیدا کرلی ہوتی ہے اور یہ چکر یونہی چلتا رہتا ہے۔

نیز ان سب چیزوں کو کسان کے لیے سستا بنانے کے لیے انتہائی قیمتی زرمبادلہ کو خرچ کیا گیا۔ گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس طرح کی پبلسٹی کی گئی کہ کسان اس کو خریدنے پر مجبور ہوجائے، گوکہ اس دوران کئی زرعی ماہرین نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ پیداوار میں اضافہ زراعت کے قدرتی طریقوں کے بہتر استعمال سے بھی کیا جاسکتا ہے اور ماحولیات کے کئی ماہرین نے زمین، پانی، کسان کی صحت پر مضر اثرات کی طرف بھی نشاندہی بھی کی مگر کسی نے اس پر دھیان نہ دیا۔

اصل میں جدید زرعی اصلاحات میں سارا زور پیسے کے زیادہ استعمال پر ہوتا ہے محنت پر نہیں۔ اس طرح بڑے زمیندار اپنے پیسے کے بل بوتے پر زرعی مشینری کھاد وغیرہ خرید سکتے ہیں اور چھوٹے کسان یہ ساری چیزیں خریدنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ جب بڑا زمیندار مشینری خرید لیتے ہیں تو ان کے ہاتھ اور بھی مضبوط ہوجاتے ہیں اور پھر وہ جب چاہے ہاریوں کو بیدخل کرکے تنخواہ یا روزانہ اجرت پر مزدور رکھ کر کام کرواسکتے ہیں۔ اس طرح ہاری پر ہمیشہ کے لیے بیروزگاری کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

چونکہ زیادہ تر زرعی آلات، بیج، دوائیں اور کھاد وغیرہ کا انحصار درآمدات پر ہوتا ہے اس لیے اگر قومی یا بین الاقوامی معاشی حالات بگڑ جائیں تو ان چیزوں کی قیمتیں بہت

بڑھ سکتیں ہیں جو کہ مسائل کو اور شدید بنا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ہم پاکستان کو لیں تو ۷۰ کی دہائی کے شروع میں کچھ ایسے بیرونی اور اندرونی بحران آئے جس سے ملکی معیشت کو عام طور پر اور زراعت کو خاص طور دھچکا پہنچا مثلاً پاکستان دو ٹکڑوں میں بٹ گیا، یکے بعد دیگرے ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۵ء تک تین خشک سالیاں، ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۱ء میں شدید سیلاب، بین الاقوامی منڈی میں تیل پیدا کرنے والے ممالک (OPEC) کی طرف سے تیل کی قیمتوں میں اضافہ وغیرہ کے اثرات زراعت پر انتہائی گہرے پڑے، کیونکہ زرعی آلات کا تمام دارومدار درآمدات پر تھا۔

دراصل سبز انقلاب کا مقصد زمین سے اسکی طاقت اور قوت سے زیادہ پیداوار حاصل کرنا تھا۔ اس کے لیے مصنوعی طریقے استعمال کرنے لازم تھے۔ اس سے وقتی طور پر پیداوار تو بڑھی مگر اس کے مضر اثرات، جو زمین اور ماحول پر پڑے اس کا خمیازہ ہم ابھی بھگت رہے ہیں۔ کیونکہ قدرت کی ہر چیز میں توازن ہوتا ہے اور اگر اس توازن کو بگاڑنے کی کوشش کی جائے تو خرابیاں پیدا ہوں گی۔ مثال کے طور پر اگر کسی انسان میں روزانہ چار گھنٹے کام کرنے کی قوت ہے مگر وہ چھ گھنٹے کام کرے یعنی اپنی طاقت سے دو گھنٹے زیادہ اور ان دو گھنٹوں کی قوت وہ طاقت کی گولیاں وغیرہ کھا کر پوری کرے، تو وہ کام تو کرلے گا مگر چند ہفتوں کے بعد کام کی زیادتی کے مضر اثرات اس پر ظاہر ہونا شروع ہوں گے اور اس کی صحت گرتی چلی جائے گی اور وہ جلد بوڑھا ہوجائیگا اور اگر اس نے احتیاط نہ کی تو اس کی جان کو خطرہ بھی لاحق ہوسکتا ہے۔ اس طرح زمین سے بھی اگر اس کی طاقت سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی کوشش کرنے سے اسکے جلد بانجھ ہونے کا خطرہ ہے۔ اس کو یوں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ پچھلے ہزاروں سالوں سے اسی خطہ پر کھیتی باڑی ہورہی تھی اور زمین کو کچھ نہیں ہوا جتنا پچھلے تیس سالوں میں زمین کو نقصان پہنچا ہے۔ اس وقت پاکستان کی کئی ہزار ایکڑ زمین اس طرح بانجھ ہوگئی ہے۔

زمین کی یہ حالت ایک نشہ آور شخص سے بھی مشابہت رکھتی ہے جو نشے کے بغیر نہ رہ سکتا ہے نہ چل سکتا ہے اور نہ ہی کھا سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہماری زمین کو بھی نام نہاد جدید بیج کے ذریعے مصنوعی کھاد اور زہریلی ادویات کا عادی بنا دیا گیا ہے جس کے بغیر وہ پیداوار نہیں دے سکتی اور جس طرح نشہ آور شخص آہستہ آہستہ موت کی طرف بڑھتا ہے اسی طرح ہماری زمین بھی آہستہ آہستہ بنجر اور بانجھ، یا یوں کہیں کہ مردہ ہوتی جارہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ، اگر ہم اپنے اور اپنی آنے والی نسلوں کے خوراک کے تحفظ کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اپنی زمین کو اس نشے کی لت سے بچائیں۔ یہ کام بڑے صبر و تحمل سے کرنا پڑے گا بالکل اس طرح جیسے ایک نشہ کرنے والے شخص کا علاج کیا جاتا ہے۔ جس طرح آہستہ آہستہ اس کو معمول کی زندگی پر لایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح زمین کو بھی قدرتی پیداوار کے طریقہ کار کی طرف لانا پڑے گا اور اس کی بنیاد قدرتی بیج پر ہوگی جو کہ سبز انقلاب کے نام نہاد جدید بیج کا منہ توڑ جواب ہوگا۔

1۔ حوالہ:۔ ایل۔ ایس اسٹاوریونس "گلوبل رفٹ"، تھرڈ ورلڈ کم آف ایج، کے صفحہ نمبر ۴۴۳۔

لمحہ فکریہ

آج کل جہاں نئی اقسام کی زہریلی دواؤں کا استعمال بڑھتا جارہا ہے، وہاں زمین کی تباہی کے ساتھ ساتھ لوگوں میں یہی دوائیں پی کر خود کشی کا رجحان بھی بڑھتا جارہا ہے۔ خود کشی کی شرح معلوم کرنے کے لیے ہم نے جب سندھی اخبار کاوش کو کھنگالنا شروع کیا تو پتا چلا کہ ہر مہینے صرف سندھ کے دیہی علاقوں سے تقریباً 65 افراد کی زہریلی دوائیں پی کر خود کشی کی خبریں شائع ہوئی ہیں مثال کے طور پر:

اگست 2000ء			ستمبر 2000ء			اکتوبر 2000ء		
مرد	عورتیں	ٹوٹل	مرد	عورتیں	ٹوٹل	مرد	عورتیں	ٹوٹل
38	23	61	40	28	68	42	21	63

یہ اعداد و شمار صرف ایک اخبار کے مطالعہ سے سامنے آئیں ہیں۔ اس کے علاوہ ان دواؤں سے خود کشی کرنے والوں یا ایسا کرنے کی کوشش کرنے والوں کی غیر شائع شدہ تعداد تو بہت زیادہ ہو سکتی ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ تقریباً سب ہی افراد کا تعلق کھیتی باڑی سے ہے اور خود کشی کرنے کی وجوہات میں غربت، بے روز گاری، گھریلو ناراضگی سے لیکر محبت میں ناکامی، سب سے زیادہ بیان کی گئیں ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دیہی علاقوں میں جہاں تقریباً لوگوں کی معیشت زراعت سے وابستہ ہے، زمین کی بگڑتی ہوئی صورتحال کی وجہ سے لوگوں میں غربت، بے روز گاری اور افلاس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے جس سے تحفظ خوراک کا مسئلہ روز بروز بڑھتا جارہا ہے اور نتیجتاً لوگ موت کو زندگی پر ترجیح دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق زہریلی دواؤں کے مضر اثرات انسان کے جسم اور دماغ پر بہت گہرے پڑتے ہیں جس میں مستقل درد سر، غصہ، پریشانی، جھنجھلاہٹ وغیرہ شامل ہیں۔ تحقیق کرنے والوں کا کہنا ہے کہ لوگوں کو خود کشی کی طرف مائل کرنے میں ان عوامل کا بہت گہرا ہاتھ ہے۔

رزق کا وعدہ

روزنامہ 'ڈان' مورخہ 9، فروری 2001ء

ہمارے ملک میں خوراک کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے کچھ گھروں میں تو صرف دو آدمیوں کے لیے اتنا کھانا بنتا ہے کہ دس آدمی کھاسکیں جبکہ کچھ گھروں میں دس افراد کے لیے ایک وقت کی روٹی کا انتظام کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ اوپر دی گئی تصویر میں ایک بوڑھا شخص اپنے بچوں کے لیے خوراک کا انتظام کچرے کے ڈھیر سے کررہا ہے۔ شاید اس نے اپنی زندگی میں ایسے برے وقت کے لیے نہیں سوچا ہوگا۔ آج ہمارے ملک میں روزانہ ہزاروں لوگ دوسروں کے چھوڑے ہوئے کچرے سے اپنے پیٹ کی آگ بجھاتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں تحفظ خوراک کا مسئلہ کتنی شدت اختیار کرچکا ہے۔

تحفظ خوراک کیا ہے؟

تحفظ خوراک کی تعریف مختلف سطحوں پر کی جاسکتی ہے۔ مثلاً ہم تحفظ خوراک کو گھرانے، علاقے، قومی اور بین الاقوامی سطح پربیان کرسکتے ہیں۔

- وہ گھرانہ جہاں گھر کے ہر فرد کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت، لڑکا ہو یا لڑکی، چھوٹا ہو یا بڑا، متوازن اور ضرورت کے مطابق خوراک دستیاب ہوتی رہے، اس کو گھرانے کی سطح پر تحفظ خوراک کہیں گے۔
- وہ علاقہ یا آبادی، جس کے ہر گھر کو متوازن اور ضرورت کے مطابق خوراک مستقل میسر ہوتی رہے، علاقائی تحفظ خوراک کہلائے گی۔
- وہ ملک یا آبادی، جس کہ ہر گھر کو متوازن اور ضرورت کے مطابق خوراک مستقل میسر ہوتی رہے۔ملکی یا قومی تحفظ خوراک کہلائے گی۔
- عالمی یا بین القوامی سطح پر تحفظ خوراک سے مراد، دنیا بھر کے انسانوں کو ان کے گھرانہ کی سطح پر متوازن خوراک ان کی ضرورت کے مطابق متواتر فراہم ہوتی رہے۔

تحفظ خوراک کے حوالے سے کچھ اہم نکات

- تحفظ خوراک کے مسئلہ میں گھرانے کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے کیونکہ کسی ملک کے اندر اگر گھر کو خوراک کا تحفظ حاصل ہے تو اس لحاظ سے وہ ملک بھی تحفظ خوراک کے نقطہ نظر سے محفوظ کہلائے گا۔
- اگر کوئی ملک اپنی خوراک کی ضروریات میں خود کفیل ہو مگر اس ملک کے اندر خوراک کی تقسیم غیر مساوی ہو تو اس ملک کے چند افراد کے پاس خوراک ضرورت سے کہیں زیادہ ہوگی جبکہ اکثریت کے پاس کھانے کو کچھ نہیں بچے گا یا نہ ہونے کے برابر ہوگا۔
- گھرانہ کی سطح پر اگر خوراک کی تقسیم برابر نہ ہو تو اس گھرانے کو بھی تحفظ خوراک کے نقطہ نگاہ سے کچھ افراد کے لیے غیر محفوظ کہا جاسکتا ہے مثال کے طور پر جہاں ملک کے اکثر گھرانوں میں مرد کو عورت کے مقابلے میں زیادہ اور بہتر خوراک کھانے کو ملتی ہے یا ماں بیٹیوں کے مقابلے میں بیٹوں کو زیادہ اور بہتر خوراک دیتی ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ گھرانے اور ملکی سطح پر سب سے اہم مسئلہ خوراک کی فراہمی کے ساتھ ساتھ اسکی مساوی تقسیم بھی ہے۔

ایکشن ایڈ ''انٹرنیشنل ٹریڈ اینڈ فوڈ سیکورٹی'' صفحہ ۱۱-۱۲

عالمی زراعتی معاہدہ اور تیسری دنیا

تحریر : سرتاج خان

۱۹۴۸ء سے عالمی تجارت کے لیے اصول بنانا اور جائزہ لینے کا کام ایک عالمی معاہدے کے تحت ہورہا تھا جو کہ جنرل ایگریمنٹ آن ٹیریف اینڈ ٹریڈ (GATT) کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ۱۹۸۶ء سے لیکر ۱۹۹۴ء تک اس معاہدہ کے تحت کچھ نئے اصول وضوابط طے کیئے گئے۔ ان نئے قوانین کے تحت پرانے معاہدہ کی جگہ ایک ادارے ڈبلیو ٹی او (WTO) نے لے لی۔ ڈبلیو ٹی او یا عالمی تجارتی ادارے کے تحت آزاد معیشت پر مبنی تجارت کی بہت حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ یہ جو اصل میں ان بڑی بڑی کمپنیوں کی حوصلہ افزائی ہے جو عالمی پیمانے پر تجارت کرتی ہیں اور جن کا تعلق پہلی دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں سے ہے۔ ڈبلیو ٹی او کو نہ صرف ملکوں کی تجارت کی دیکھ بھال بلکہ ان پر تجارتی پابندیاں لگانے کے اختیارات بھی دیئے گئے ہیں۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ ڈبلیو ٹی او تیسری دنیا کے لیے ایک نقصان دہ ادارہ ہے۔ اس سے نہ صرف تیسری دنیا کی پیداواری صلاحیت کو شدید نقصان پہنچے گا بلکہ عام انسان کی بنیادی ضرورتوں کا حصول بھی مشکل تر ہوجائے گا۔ ڈبلیو ٹی او میں تقریباً ۳۰ معاہدے شامل ہیں جو کہ الگ الگ شعبہ جات پر لاگو ہوتے ہیں۔

تیسری دنیا کے حوالے سے ان میں سے دو معاہدوں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ دو معاہدے جو ان ممالک پر اثر انداز ہورہے ہیں جو بنیادی طور پر زرعی ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:

- زراعتی معاہدہ (ایگریمنٹ آن ایگریکلچر)
- ذہنی ملکیت کا معاہدہ (ٹریڈ ریلیٹیڈ ایگریمنٹ آن پراپرٹی رائٹس) ہے

اس مضمون میں ہم صرف زراعتی معاہدہ کا جائزہ لیں گے۔ زراعتی معاہدہ کے تین نکات بہت اہم ہیں

- زراعت کے لیے ملکی مراعات میں کمی
- برآمدی مراعات میں کمی
- منڈی تک آزادانہ رسائی

1۔ عالمی زراعت کے معاہدے کی ناانصافیاں

پہلی دنیا اور تیسری دنیا کے لیے مراعات میں کمی کی وضاحت الگ الگ اصولوں کے تحت کی گئی ہے۔

پہلی دنیا کے ممالک چھ سال کے عرصہ کے دوران زراعت کیلئے مراعات میں بیس فیصد کمی کریں گے۔ یعنی ۱۹۹۵ء سے شروع کرکے مراعات کو ہر سال تھوڑا تھوڑا کم کرنا ہے جبکہ دسمبر ۲۰۰۰ء تک بیس فیصد کمی لازمی ہے۔

تیسری دنیا کے ممالک کو دس سال کے عرصہ کے دوران مراعات کے مد میں ۱۳ء۳ فیصد کمی کرنی ہے۔ یعنی ۱۹۹۵ء سے شروع ہوکر ہر سال تھوڑا کم کرتے کرتے دسمبر ۲۰۰۴ء تک پورے ۱۳ء۳ فیصد مراعات کے ہدف کا حصول لازمی ہے۔

امریکہ اور یورپ نے ۱۹۸۶ء کو بنیادی سال کے طور پر چنا ہے، اس سال ان دونوں قوتوں نے اپنی زراعت کو سب سے زیادہ مراعات دی تھیں۔ اس طرح اگر ۱۹۸۶ء میں دی گئی مراعات کو بنیاد یا معیار بنایا جائے اور اس پر ۲۰ فیصد کمی کی جائے گی تب بھی ۲۰۰۰ء میں جو مراعات یہ ممالک اپنی زراعت کو دیں گے وہ ان مراعات سے کہیں زیادہ ہوں گی جو یہ ممالک عام طور سے دیتے ہیں۔

تیسری دنیا کے ممالک کے نزدیک اس بنیادی سال کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ ہمارے ہاں زراعت کے شعبے میں مراعات بہت کم دی جاتی ہیں اس طرح امیر ممالک ۲۰ فیصد کم کرکے بھی ہم سے کہیں زیادہ اپنے زراعت کے شعبے کو مراعات دے سکتے ہیں۔

ناانصافیوں کی دوسری شکلیں

معاہدے کے تحت تمام ممالک کسانوں کو پیسہ کی شکل میں امداد دے سکتے ہیں۔ اس میں امیر ملکوں کو بہت سہولت ہے، کیونکہ ان ممالک میں کل ۲ فیصد باشندے زراعت کے شعبے سے وابستہ ہیں، حکومت ان کو پیسے کی شکل میں امداد دے سکتی ہے۔ ہمارے ملک میں کم سے کم ۷۰ فیصد باشندے کھیتی باڑی کرتے ہیں اور حکومت کے پاس سب کو پیسہ کی شکل میں امداد فراہم کرنے کے لیے رقم نہیں۔ اس کے علاوہ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے شرائط کی وجہ سے حکومت کو عوام کی فلاح وبہبود کے لیے اخراجات کرنے پر سخت پابندی عائد ہے۔ حکومت کا زور اسلحہ خریدنے اور قرضوں کی واپسی پر ہے اور عوام کی ضروریات کی اہمیت ان کے لیے ایک غیر اہم چیز ہے۔

ایسے ممالک جو ماضی میں مراعات نہیں دیتے تھے آئندہ بھی ان کے پاس یہ آزادی نہیں رہی کہ وہ یہ سہولت اپنے زراعت کے شعبہ کو دے سکیں۔ امریکہ دنیا کے دو تہائی اناج کو سپلائی کرتا ہے اور جیسا کہ قومی مراعات کے جائزہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ ممالک اپنے زراعت کے شعبہ کو بہت مراعات دیتے ہیں۔ اس طرح سے امریکی زرعی کمپنیاں (ایگرو بزنس کمپنیاں) اپنے ملک سے سستے داموں اناج اٹھا کر دوسرے ملکوں میں بھی سستے داموں بیچنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اس میں دوسرے ملکوں کے

زراعت کے شعبہ میں کسانوں کو بہت نقصان پہنچنے کا امکان ہے۔اس مسئلہ کا سامنا خاص طور پر تیسری دنیا کے کسانوں کو ہے۔اگر ان کی مارکیٹ میں غیر ملکی اناج سستے داموں بکتا ہے تو ان کا اناج مہنگا ہوجاتا ہے۔اس طرح سے وہ اگر دام کم کرتے ہیں تو خسارے میں جاتے ہیں اور اس طرح کچھ سالوں کے بعد قرضوں کے دباؤ میں وہ اپنی زمین سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

منڈی تک رسائی

یہ معاہدے کی سب سے اہم شرط ہے اور اس کے پس منظر میں بین الاقوامی کمپنیوں کو دنیا بھر کے ملکوں کی زراعتی منڈی تک رسائی فراہم کی جارہی ہے۔عام طور پر تمام ممالک درآمدات پر بھاری ٹیکس لگا کر اپنے ملک کی مصنوعات اور اجناس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔اس طرح ہر ملک کوشش کرتا ہے کہ زرعی اجناس میں خود کفالت حاصل کی جائے۔ملک میں اس طرح روزگار بڑھتا ہے اور قیمتی زرمبادلہ بھی بچایا جاسکتا ہے۔ اس پالیسی کے باوجود اگر کوئی کمپنی درآمد کرنے پر آمادہ ہوتی ہے تو حکومت کو نہ صرف درآمدی ٹیکس کی مد میں رقم حاصل ہوتی ہے بلکہ وہ چیز ٹیکس نافذ ہونے کی وجہ سے مہنگی ہوجاتی ہے اور مقامی جنس قیمت کم ہونے کی وجہ سے منڈی میں برتری حاصل کرلیتی ہے۔قومی منڈی کو سہولت دینے کے لیے حکومتیں کوٹہ سسٹم بھی رائج کرتی ہیں جس کی وجہ سے ایک مخصوص مقدار میں اجناس کی درآمد کی اجازت ہوتی ہے لیکن کوٹہ سسٹم کو نئی آزاد معیشت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

عالمی زراعتی معاہدے کے تحت ترقی یافتہ ممالک کو ۳۶ فیصد محصولات کم کرنا ہونگی اور ترقی پذیر ممالک کو محصولات میں ۲۴ فیصد کمی کرنا ہوگی۔محصولات کو اوسطاً ۳۶ فیصد کمی کرنا لازمی ہے اور ہر چیز پر کم از کم ۱۵ فیصد محصولات میں اور کوٹہ سسٹم کو بالکل ختم کردینا ہوگا۔

امریکہ اور یورپ نے کوٹہ سسٹم ختم تو کردیا ہے لیکن جو کوٹے ہٹائے ہیں ان کو پہلے محصولات میں بدلنا تھا۔جب کوٹے کو محصولات کی شکل میں تبدیل کیا گیا تو اصلی لاگت سے زیادہ لاگت لگا کر بہت اونچے محصولات لگائے گئے،خاص کر ان اشیاء پر جو ان کی منڈی میں باہر کے ممالک سے درآمد کی جاتی تھیں۔

اب ان محصولات کو ۳۶ فیصد کم کرنا ہے کیونکہ یہ محصولات بہت زیادہ ہیں۔اس کمی کے باوجود بھی ان کی منڈی باہر کے ملکوں کے لیے مہنگی رہے گی۔دوسرا اہم نقطہ یہ ہے کہ محصول اوسطاً ۳۶ فیصد کم کرنا تھا اور ہر ایک چیز پر کم از کم ۱۵ فیصد کمی کرنی تھی۔ اس طرح یہ ممالک ان اشیاء پر محصولات کم کررہے ہیں جن پر ان کی منڈی میں مقابلہ کم ہے اور ان اشیاء پر محصولات بڑھا کر رکھے ہوئے ہیں،جن کے مقابلے میں وہ دوسرے ملکوں کی اشیاء کو اپنی منڈی میں پنپنے نہیں دینا چاہتے۔

ان محصولات کا فائدہ دراصل ایکسپورٹرز کو ہے جو خاص طور پر یورپ اور امریکہ کی بڑی بڑی ایگرو بزنس ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں۔کسان چاہے وہ پہلی دنیا کے ہوں یا تیسری دنیا کے ان کو سخت مالی نقصان ہے۔یہاں تک کہ وہ بھاری قرضے میں ڈوب کر بالا آخر اپنی زمینوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔اس طرح سے کارپوریٹ فارمنگ یعنی سرمایہ دارانہ کاشت کاری کا نظام آسانی سے ہمارے ممالک میں حاوی ہوجائے گا۔

اب چھوٹے کاشت کاروں کے پاس بچت کا پیسہ نہیں ہوتا اور وہ زیادہ تر قرضے پر اپنی زمین کو کاشت کرتے ہیں۔ان کا انحصار حکومتی رعایت پر ہوتا ہے مثلاً گندم پر امدادی قیمت وغیرہ۔آئی ایم ایف،ورلڈ بینک اور ڈبلیو ٹی او کے اجتماعی شرائط اور معاہدوں کے تحت ان میں اتنی سکت باقی نہیں رہے گی کہ وہ بڑی بڑی کمپنیوں کی سرمایہ دارانہ قوتوں کے آگے ٹھیر سکیں۔اسکی ایک مثال ہمارے ملک میں نوارٹس(Novartis) اور دیگر کمپنیوں کی ون شاپ(one shop) دکانوں کی ہے۔ہر کمپنی صرف اپنی ہی اشیاء بیچتی ہے اور سامان قرضہ پر نہیں دیتی۔اس طرح جب کاشت کار کے پاس پیسہ نہیں ہوگا اور وہ اشیاء سود پر نہیں لے سکے گا تو پھر اس کے لیے زمین کاشت کرنا بھی مشکل ہوجائے گا اور آخر کار اس کے پاس زمین سے ہاتھ دھونے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہے گا۔

حکومت کو آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے معاہدہ کے تحت بجلی اور لائٹ ڈیزل آئل کی قیمتوں میں اضافہ کرنا پڑا،جس سے زراعتی شعبہ میں قیمتیں بہت بڑھیں۔ان قیمتوں سے چھوٹے کاشت کار ٹیوب ویل کا پانی استعمال کرنے کے قابل نہیں رہے ہیں اسی طرح اب حکومت نے سوائے گندم کے ہر چیز سے امدادی قیمت کا خاتمہ کردیا ہے۔پاکستان نے اپنی منڈی پر ۱۰۰-۱۵۰ فیصد محصولات لگائے تھے لیکن آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے معاہدوں کی وجہ سے ۱۹۹۶ء میں ۶۵ فیصد تک کمی کردی گئی۔ 1999 میں ۳۵ فیصد اور بالا آخر جولائی ۲۰۰۱ء میں ۳۰ فیصد تک لیکر آئیں گے۔خبر یہ ہے کہ اگلے سالوں میں محصولات اس سے بھی کم کردیے جائیں گے۔

ان اقدامات سے یہ بات یقینی ہوجاتی ہے کہ اب پاکستان میں بین الاقوامی کمپنیاں ہماری منڈی تک رسائی میں کامیاب ہوجائیں گی اور مقامی کسانوں کی تباہی کا سبب بنیں گی۔ان کمپنیوں کا اثاثہ کئی تیسری دنیا کے ملکوں کی آمدنی سے زیادہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ تیسری دنیا کے ممالک ان کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ان کمپنیوں کے ہیڈ کوارٹرز پہلی دنیا کے ملکوں میں ہیں اور ان کو پہلی دنیا کی حکومتیں پورا تحفظ فراہم کرتی ہیں۔اس طرح پاکستان سمیت تیسری دنیا کی حکومتیں پہلی دنیا کی سازشی پالیسیوں پر کاربند ہونے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔

چونکہ ہماری معاشی پالیسیاں آئی ایم ایف،ورلڈ بینک اور ڈبلیو ٹی او کے زیر اثر بنتی ہیں اس لیے عام آدمی آج دو وقت کی روٹی کو ترس رہا ہے۔غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ان شرائط کو ماننے کے بدلے جن مراعات کے وعدے کیے جاتے ہیں وہ

کبھی حاصل نہیں ہوتے، مثال کے طور پر ڈبلیو ٹی او، کے معاہدوں کے تحت وہ ممالک جن کی خوراک کا زیادہ تر انحصار درآمدات پر ہوتا ہے ان کے لیے کچھ سہولتیں رکھی گئیں ہیں۔ اس تناظر میں پاکستان امداد حاصل کرنے کا حقدار بنتا ہے کیونکہ پاکستان گندم اور پکانے کا تیل بہت زیادہ درآمد کرتا ہے لیکن اب تک ہمیں کو کسی قسم کی ٹیکنیکل، معاشی یا خوراک کی امداد حاصل نہیں ہوئی۔

زراعت کے شعبے میں مراعات اور ان کی اہمیت اور ہماری حکومت کی پالیسیاں

معیشت کے فروغ اور ترقی کا دارو مدار زراعت کے شعبے کی بہتر کارکردگی پر ہوتا ہے۔ اس لیے دنیا بھر کی حکومتیں خاص طور پر امیر ممالک اپنے زراعت کے شعبے کو خصوصی مراعات دیتے ہیں۔ تیسری دنیا کے ممالک معاشی طور پر خوشحال نہیں لیکن پھر بھی وہ حسب توفیق اپنے زراعت کے شعبے کو مراعات دیتے ہیں کیونکہ صنعتی ترقی اور عوام کی خوراک کی ضروریات کا دارومدار زراعت کی بہتر کارکردگی پر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مختلف طریقوں سے حکومت کی مدد درکار ہوتی ہے۔ مثلاً

- آبپاشی کا نظام، پلوں اور راستوں کو بہتر بنانا جن سے زراعتی اشیاء کو مارکیٹ تک پھنچنے میں آسانی ہو۔
- زرعی مشینری اور بیج وغیرہ خریدنے کے لیے آسان شرائط پر قرضہ جات کی فراھمی یقینی بنانا۔
- زرعی مشینری کی پیداوار کو بہتر بنانے اور اسکو کسان تک سستے داموں پھنچانے کے لیے اعانت فراھم کرنا۔
- کسانوں کو ان کی فصل کی اچھی اور غیر متبدل امدادی قیمت دینا تاکہ ان کی مالی حالت بہتر ہو سکے۔

آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور ڈبلیو ٹی او کے دباؤ کے تحت آجکل ہماری حکومت ایسے اقدامات کررھی ھے جس سے عام طور پر زراعت کے شعبے کو اور خاص طور پر کسان کو شدید نقصان پہنچنے کا خطرہ ھے۔ مثلاً

- حکومت نے آئی ایم ایف کے دباؤ کے تحت زرعی دواؤں اور یوریا پر ۱۵ فیصد سیلز ٹیکس لگانے کا فیصلہ کیا ھے۔
- حکومت نے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے شرائط کے تحت گندم کے علاوہ ھر فصل کی امدادی قیمت ختم کردینے کا فیصلہ کیا ھے۔ گندم کی امدادی قیمت کچھ عرصے میں ختم کردی جائے گی۔
- گندم کی فصل کو دس سے پندرہ ارب روپے کی مالی اعانت جو حکومت دیتی تھی بین الاقوامی قرضہ دینے والے اداروں کے دباؤ میں ختم کردینے کا فیصلہ کیا گیا ھے۔
- حکومت نے بے زمین ھاریوں کو زمین دینے کے بجائے سرمایہ دارانہ زراعت رائج کرنے کا پروگرام بنایا ھے، جس سے بڑی بڑی کمپنیوں کو لاکھوں ایکڑ زمین پر ان کی مرضی کی فصل کاشت کرنے کا اختیار حاصل ھوجائے گا۔

کارپوریشن کیا ھیں؟

کارپوریشن ایسی کمپنی کو کھتے ھیں، جس کی قانونی حیثیت ایک انسان کی قانونی حیثیت کے برابرھوتی ھے۔ یعنی ایک کمپنی اپنے حقوق کے لیے اسی قانون کی سطح پر لڑسکتی ھے جس پر ایک انسان اپنے حقوق کی حفاظت کرسکتا ھے۔ سمجھنے کی بات یہ ھے کہ ایک انسان کے پاس صرف اپنے وسائل ھوتے ھیں جب کہ کمپنی کے پاس پورے ادارے کے وسائل ھوتے ھیں۔ جس میں سرمایہ، اثر و رسوخ، وکیل اور مختلف ٹیکنیکل شعبات سے وابستہ عملہ شامل ھے۔ اس پوری طاقت کے ساتھ ایک کمپنی کو ایک انسان کی حیثیت دے دی جاتی ھے۔ اس طرح جب یہ کمپنی اپنے حقوق کے لیے قانون کا سھارا لیتی ھے تو اس کی طاقت ایک عام انسان سے کئی ھزار گنا زیادہ ھوجاتی ھے اور جب ایک انسان اس کارپوریشن سے اپنے حقوق کے لیے کچھری میں کھڑا ھوتا ھے تو مقابلہ برابری کی سطح پر ھو ھی نھیں سکتا۔ حپ یاد رھے کے ھمارے ملک میں ایسی نئی پالسیاں مرتب کی جارھی ھیں جو کہ کارپوریٹ فارمنگ کرنے والی کمپنیوں کو بے تحاشہ وسائل اور سھولتیں فراھم کریں گی۔ جو کہ ایک عام کسان کے پاس ھر گز نھیں ھیں۔

کارپوریٹ فارمنگ اسباب واثرات

تحریر : عذرا طلعت سعید

کارپوریٹ فارمنگ نئی آزاد معیشت (تجارتی آزادی) میں ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ پاکستان میں آجکل حکومت کا اس طریقہ کاشتکاری پر بہت زور ہے اور اسے فروغ دینے کے لیے نت نئے منصوبے، مراعات اور سہولیات اخبارات میں شائع ہو رہے ہیں اور امکان ہے کہ عنقریب کارپوریٹ فارمنگ پاکستان میں رائج کر دی جائے گی۔ کاشت کاری صرف ایک پیداوار کا ذریعہ نہیں بلکہ انسان کی سب سے بنیادی ضرورت یعنی خوراک کی فراہمی کا واحد وسیلہ بھی ہے۔ اس لیے اس شعبے میں آنے والی تمام تبدیلیاں عوام کے سمجھنے کے لیے بہت ضروری ہیں اس کے علاوہ ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے ملک کے ۴۰ فیصد سے زائد لوگوں کا روزگار اس شعبے سے منسلک ہے، اس لیے اس شعبہ کے لیے جو بھی منصوبے بنائے جائیں اس میں قوم کی خوشحالی اور بہبودی کا عنصر کارفرما ہونا ضروری ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں آزاد معیشت اور تجارت کے خلاف احتجاج ہو رہا ہے۔ یہ احتجاج نا صرف ترقی پذیر ممالک کی عوام کر رہی ہے بلکہ بعض حکومتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ترقی یافتہ ممالک کے عوام آزاد تجارت کے صنعتی اثرات دیکھتے ہوئے اس کی شدید مخالفت کر رہے ہیں اس احتجاج کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ جب سے زراعت کے شعبہ کو آزاد تجارت میں شامل کیا گیا ہے، دنیا بھر میں عام آدمی کے لیے خوراک کا حصول مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔

کارپوریٹ فارمنگ یا انڈسٹریل فارمنگ کیا ہے؟

- کارپوریٹ فارمنگ میں کاشت ہزاروں ایکڑ پر کی جاتی ہے۔
- اس زمین کی مالک بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں ہوتی ہیں۔ زمین مستقل خرید لی جاتی ہے یا مالکان سے لمبے عرصے کے لیے ٹھیکہ پر لی جاتی ہے۔
- کارپوریٹ فارمنگ میں جدید ترین ٹیکنولوجی کا استعمال ہوتا ہے جس میں ہر طرح کی مشینیں، کیمیکلز اور نئے جینیاتی بیج وغیرہ شامل ہیں۔
- ان زمینوں پر ہاری یا کسان کی گنجائش نہیں ہوتی بلکہ کمپنیوں کے ملازم اور مزدور کام کرتے ہیں اور کاشتکاری کارپوریشن کی پالیسی اور مرضی کے مطابق ہوتی ہے۔

کارپوریٹ فارمنگ سے وابستہ امیدیں

کارپوریٹ فارمنگ سے حکومت خاصی امیدیں لگائی بیٹھی ہے۔ حکومت کا خیال یہ ہے کہ جدید ترین کاشت کاری اپنانا بہت ضروری ہے، جس سے ایک طرف تو زرعی پیداوار کو بڑھایا جا سکتا ہے تو دوسرا غیر کاشت شدہ زمین کو بھی زیر کاشت لایا جا سکتا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ جدید مشینوں کے استعمال سے زمین کی پیداواری کارکردگی بڑھ جاتی ہے یعنی کم وقت اور کم خرچ میں جدید زرعی اصلاحات کے ذریعے زیادہ پیداوار حاصل کی جا سکتی ہے۔

ڈبلیو ٹی او کے عالمی زرعی معاہدے کی رو سے دنیا بھر میں حکومتیں اپنے زراعت کے شعبے کو طاقتور اور خودکفیل بنانے کے لیے جتنی بھی سہولیات اور مراعات دیتے ہیں وہ ختم کر دیں اور اپنی زرعی منڈی کو بغیر کسی تفریق کے سب کے لیے کھول دیں۔ اس معاہدے کے بعد دنیا کی چند بڑی زرعی کمپنیاں پوری دنیا کی زراعت پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے حرکت میں آگئیں ہیں۔

عام طور پر یہ کمپنیاں خود کو انسان دوستی کا نمونہ بنا کر پیش کرتی ہیں، جیسے پورے عالم انسانی کی خوراک کی ضروریات کا صرف ان ہی کو خیال ہے جس کے لیے وہ ہر وقت زراعت میں نئے ایجادات کرتے رہتے ہیں! ہمارے سمجھنے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ کارپوریشن، جن کی بنیاد ہی منافع کا حصول ہے، زراعت میں جدید اصلاحات پر زور دینے سے ان کا مقصد دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے خوراک میں خودکفالت حاصل کرنا نہیں، بلکہ منافع کمانے کے لیے نت نئے زرائع تلاش کرنا ہے۔

ان کمپنیوں کا تعلق ترقی یافتہ صنعتی ملکوں سے ہے اور ان کو اپنے ملکوں کے حکمران طبقے کی مکمل مدد حاصل ہے اور اس کے برعکس ہمارے جیسے ملکوں کے حکمران طبقے کا مفاد عوام کی فلاح و بہبود نہیں بلکہ ترقی یافتہ سرمائیدارانہ ملکوں کے حکمران طبقے کی اطاعت ہے۔ اس لیے ان کمپنیوں کو ہمارے غریب عوام کا استحصال کرنے، سخت زہریلی آلودگی پھیلا کر ماحول تباہ کرنے، خوراک جیسی بنیادی انسانی ضرورت کی چیز پر اپنی اجارہ داری قائم کر کے منافع کمانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

پاکستان میں کارپوریٹ فارمنگ

وفاقی وزیر خوراک وزراعت وحیوانات جناب خیر محمد جونیجو صاحب کے حالیہ بیان کے مطابق کارپوریٹ فارمنگ کو انڈسٹری کا درجہ دیا جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو وہ سب سہولتیں میسر ہوں گی جو کہ انڈسٹریل سیکٹر کو فراہم کی جاتی ہیں، جن میں قرضہ جات کی سہولت بھی شامل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کارپوریشنوں کو کاشت کے لیے زمین خرید کر اپنے نام ٹرانسفر کرانے پر کوئی ٹیکس نہیں دینا پڑے گا۔ یہ کمپنیاں حکومتی زمین کو ۵۰ سال تک کے لیے لیز پر لے سکتی ہیں یا خرید سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ ۴۹ سال کے لیے مزید اس زمین کو حاصل کر سکتی ہیں۔

حکومت نے ان کے لیے زمین کو لیز پر لینے یا خریدنے کی کوئی حد مقرر نہیں کی یعنی وہ جتنی چاہیں زمین حاصل کر سکتی ہیں۔ وفاقی وزیر جناب جونیجو صاحب نے حکومت سے

درخواست کی ہے کہ سرمایہ دارانہ کمپنیوں کو خود مختیاری ہونی چاہیے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے لیے زمین کی حد مقرر کریں۔ اس حوالے سے حکومت ان کو قانونی تحفظ فراہم کرے گی، تاکہ مستقبل میں ان کمپنیوں کو کوئی مسائل درپیش نہ ہوں۔

وہ سرمایہ دارانہ کمپنیاں جو آب پاشی والے علاقے میں کارپوریٹ فارمنگ نافذ کریں گے، ان کے لیے ۵ سال ٹیکس کی چھوٹ ہے اور بارانی علاقوں کے لیے ۷ سال ٹیکس کی چھوٹ ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ یہ چھوٹ صرف ان کمپنیوں کے لیے ہے جن کے نام اسٹاک ایکسچینج میں رجسٹرڈ ہیں۔ یعنی کہ مضبوط ترین سرمایہ دارانہ کمپنیوں کو مکمل کنٹرول دینے کا اعلیٰ پروگرام نافذ کیا جا رہا ہے۔ اوپر بیان کردہ تفصیلات سے صاف واضح ہے کہ کارپوریٹ فارمنگ رائج کرنے سے صرف ڈبلیو ٹی او کے زراعتی معاہدے کو عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔

حکومت کا خیال ہے کہ کارپوریٹ فارمنگ سے ملک میں پیداوار میں اضافہ ہوگا اور ساتھ ساتھ منافع بھی حاصل ہوگا، لیکن ان سب خیالات پر عمل کرنے سے پہلے یہ بہتر ہے کہ ہماری حکومت آس پاس کے ممالک پر نظر ڈالے جن کے ہاں کافی عرصے سے کارپوریٹ فارمنگ ہو رہی ہے۔ تحقیق بتاتی ہے کہ بڑی بڑی کمپنیاں جب کاشت کراتی ہیں تو زہریلی دوا اور کیمیائی کھاد کا بہت زیادہ استعمال کرتیں ہیں۔ ہر خطے سے رپورٹ آ رہی ہے کہ فصلوں پر کیڑوں کے سخت ترین حملے ہو رہے ہیں۔ زمین کی زرخیزی گر کر بالکل بانجھ ہونے کی نہج پر پہنچ چکی ہے۔ سائنسی تحقیق واضح کرتی ہے کہ ان کیمیائی اشیاء کی وجہ سے انسانوں اور دوسرے جانداروں کی صحت پر بہت مضر اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ مردوں اور عورتوں میں ان کے کیمیائی اثرات سے بانجھ پن میں اضافہ ہو رہا ہے، عورتوں میں بچے ضائع ہونے اور معذور بچے پیدا ہونے کی شرح بڑھتی جا رہی ہے۔ جلد اور کینسر کی بیماریاں عام ہونا شروع ہو گئیں ہیں۔ ماحولیات میں زہر پھیلنے کی یہ حد ہے کہ آئس لینڈ جیسے ملک جہاں پر کاشت کاری نہیں ہوتی وہاں پر بھی کیمیائی دواؤں کے پانی میں آثار نظر آتے ہیں۔ یہاں پر جینیٹک انجیئرنگ پر تفصیل سے لکھنے کے لیے جگہ کم ہے ورنہ اس پر خطرناک رپورٹ آ رہی ہیں۔

انسانی زندگی اور ماحول کو اتنا نقصان پہچانے کے بعد بھی یہ کمپنیاں اپنے منصوبوں پر کیوں بضد ہیں؟ اور کیوں اپنے برے ارادوں سے باز نہیں آتیں؟ آج ہمارے سائنس داں، دانشور اور حکومت سب کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے کہ کیا ہم پھر بن سوچے اپنی آنے والی نسلوں اور سرزمین کی بھلائی کو مدنظر رکھے بغیر پھر سے ایسے نئے طریقہ کار کو اپنا لیں گے جس نے ہمیں سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں دیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم باقی دنیا کے عوام کے ساتھ مل کر اس سرمایہ دارانہ تباہ کاری کے خاتمہ کے لیے جدوجہد میں شامل ہو جائیں۔

ایگری بزنس یا زراعتی سرمایہ دارانہ کمپنیاں

بظاھر تو زرعی کمپنیوں کا ھماری عام زندگی سے کوئی خاص تعلق نظر نہیں آتا مگر غور کیا جائے تو یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ ھماری روز مرہ زندگی میں ان کا بہت عمل دخل ھے۔ مثال کے طور پر اگر نیسلے کو ھی لے لیجئے، جو کہ سوئزرلینڈ کی بہت بڑی زرعی کمپنی ھے۔ یہ بہت سادی روز مرہ کی چیزوں کے علاوہ دودھ بھی فراھم کرتی ھے اور پوری دنیا میں اسکے لیے مشہور ھے۔ نیسلے، دودھ خاص طور پر چھوٹے بچوں کے لیے بناتا ھے، جس کی وہ میڈیا پر ایسی پبلسٹی کرتا ھے کہ جیسے یہ دودھ بچوں کے لیے بہت ھی ضروری ھے اور ماں کی محبت کا ثبوت بھی ھے کہ وہ اپنے بچے کو نیسلے کا دودھ پلاتی ھے۔ تحقیق یہ بات ثابت کرتی ھے کہ خشک دودھ چھوٹے بچوں کے لیے نقصاندہ ھے۔ آجکل نیسلے نے گائے، بھینس کے دودھ کو ڈبوں میں، جسے ملك پیك کھا جاتا ھے گھر کے سارے افراد کے استعمال کے لیے مارکیٹ میں فراھم کیا ھے۔ اس دودھ میں ایسے کیمیائی اجزاء شامل کیے جاتے ھیں جس سے یہ دودھ زیادہ دنوں تك چل سکے۔ سوچنے کی بات یہ ھے کہ کیا یہ دودھ تازہ اور قدرتی دودھ کا نعم البدل ھوسکتا ھے؟ اور کیا یہ ھمارے لیے اور خاص طور پر ھمارے بچوں کے لیے صحت مند ھے؟

آجکل زرعی کمپنیاں بیجوں پر نت نئے تجربات کرکے قدرتی توازن سے کھیلنے کی کوشش کررھی ھیں۔ کسان مرد اور عورت نے قدرت کے ماحول کے مطابق اور اپنے ذھن کے استعمال سے اعلیٰ سے اعلیٰ بیج پیش کیا۔ جسے وہ صدیوں سے کل انسانیت کی ملکیت تصور کیا کرتے تھے، جو اب ان کمپنیوں کے آنے کی وجہ سے اور ڈبلیو ٹی او کی ذھنی ملکیت کے معاھدے (TRIPS) کی رو سے ان کمپنیوں کی ملکیت بن چکا ھے۔ اب کسان ان کمپنیوں کو ان کی نام نھاد ایجاد کا معاوضہ دیکر ھی حاصل کرسکتا ھے۔ ھمارے ملك میں مونسانٹو ایك بہت بڑی امریکی کمپنی ھے، جو ھمیں بہت سی سبزیوں کے بیج بیچتی ھے۔ کچھ عرصہ قبل اس نے کارگل، جو کہ ایك اور بہت بڑی زرعی کمپنی ھے، اسکا بیج بنانے کا یونٹ خرید لیا ھے۔ اس طرح سے اسکا مارکیٹ پر کنٹرول بہت بڑھ گیا ھے۔ سوچنے کی بات یہ ھے کہ بیج جیسی نہایت اھم شے، جو پہلے کسی پیسے یا ذھنی ملکیت کا معاوضہ کے بغیر حاصل ھوتی تھی اب اس بیج کے لیے ھمیں مونسانٹو جیسی کمپنیوں پر انحصار کرنا پڑے گا۔

ھمارے لیے بہت ضروری ھے کہ ان کمپنیوں پر اپنی خوراك کا انحصار کرنے سے پہلے ان کے بارے میں کچھ سمجھ لیں۔ مونسانٹو، ایجنٹ اورنج (نارنجی) بنانے والی کمپنی ھے جس نے انسانی صحت پر بہت برے اثرات چھوڑے جس کی وجہ آنے والی نسلوں میں پیدائشی معزوری منتقل ھوئی۔ یہ اب دنیا کی سب سے بڑی کیمکل بنانے والی کمپنی مانی جاتی ھے۔ فصل میں گھاس پھوس ختم کرنے کے لیے یہ کمپنی ایك زھریلی دوا (راؤنڈاب) بناتی ھے جس کی وجہ سے قدرتی طور پر پیدا ھونے والی مختلف جڑی بوٹیاں جو انسان کے لیے بہت مفید ھوتیں ھیں، پنپ نہیں پاتیں جس سے قدرتی توازن بگڑنے کے خطرات بڑھتے جارھے ھیں۔

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی

تحقیق: فیلڈ ٹیم (نور، عنایت، یعقوب اور فریدہ)

صدیوں سے انسان کھیتی باڑی کرتے ہوئے اپنی خوراک کی تمام ضروریات زمین سے پوری کرتا ہوا آیا ہے۔ زمین کی ہریالی اور پیداواری صلاحیت ہی اس کے تحفظ خوراک کی ضمانت ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کو بہانہ بنا کر منافع خور طبقے نے زراعت میں سبز انقلاب کا نعرہ لگایا اور باور کرایا کہ اس انقلاب سے پیداوار بڑھنے کے اتنے امکانات ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی بھوکا نہیں رہے گا لیکن اس انقلاب سے گزرنے کے بعد جب ہم ایک نظر اپنی زمینوں کی پیداواری صلاحیت اور دوسری طرف بھوکے لوگوں کی بڑھتی ہوئی آبادی پر ڈالتے ہیں تو بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ بدقسمتی دیکھیے کہ جو کسان محنت کر کے ہم سب کے لیے خوراک اگاتے ہیں آج سب سے زیادہ خوراک کی کمی کے شکار ہیں۔ اس بات کا تجزیہ کرنے کے لیے ہم نے کچھ ہاریوں سے ان کے حالات کے متعلق بات چیت کی جن میں سے ایک آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

غلام حسین سولنگی

غلام حسین سولنگی گاؤں علی داد مغل، سب ڈویژن ٹنڈو محمد خان کا رہنے والا ہے۔ ان کی عمر تقریباً ساٹھ سال ہے۔ یہ اپنی ڈھائی ایکڑ زمین پر پچھلے چالیس سال سے خود کاشت کرتا ہے ہیں۔ غلام حسین زیادہ تر گندم اور کپاس کی فصل کاشت کرتا ہے۔ جن کے لیے وہ قدرتی بیج استعمال کرتا ہے۔ (یعنی صدیوں پرانا بیج) کیونکہ بازار سے ملنے والی بیج کی اسکے پاس کوئی حیثیت نہیں ہے۔ غلام حسین اپنے تجربے کی روشنی میں بتاتا ہے کہ پہلے زمیندار حضرات زیادہ اناج اگانے پر زور دیتے تھے اور فصل کے تیار ہونے کے بعد ہاری اور زمیندار اس کو آپس میں برابر تقسیم کر لیا کرتے تھے اور اگر فصل بازار میں بیچی جاتی تو اس کی رقم بھی آدھی آدھی تقسیم کی جاتی تھی اور اگر ہاری کے پاس اناج کا ذخیرہ ختم ہو جاتا تو مانگنے پر زمیندار اس کو بہ خوشی دے دیتا جس کا حساب بعد میں کیا جاتا تھا۔ پچھلے کچھ برسوں سے زمیندار حضرات نے اناج کاشت کرنے پر توجہ کم کر کے گنے وغیرہ کی فصل پر توجہ بڑھادی ہے کیونکہ گنے سے اچھی رقم ملنے کی توقع ہوتی ہے، اور مسئلہ یہ ہے کہ گنے کی رقم سیدھی زمیندار کے ہاتھ میں آتی ہے اور پھر یہ اس کی مرضی ہوتی ہے کہ وہ اس میں سے ہاری کو کتنا دیتا ہے!

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ایک تو ہاری کو اس کی محنت کا پورا پھل نہیں ملتا اور جو ملتا ہے اس سے تو صرف اپنے آنسو ہی پونچھے جاسکتے ہیں پیٹ کی آگ نہیں بجھائی جاسکتی۔ پہلے گنے کی کٹائی میں پانچ سو روپے مزدوری ملتی تھی جس سے کچھ گزارہ ہو جاتا تھا۔ اب اس کی جگہ تین سو روپے بھی بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ غلام حسین نے مثال دیتے ہوئے کہا اس کے اپنے بیٹے دوسرے زمینداروں کی زمینوں پر کام کے لیے جاتے ہیں لیکن پھر بھی گزر بسر بہت مشکل سے ہوتی ہے لیکن پھر بھی فارغ بیٹھنے سے کام کرنا اچھا ہے۔ ہم اکثر بکریوں کے بچے پالتے ہیں اور بعد میں ضرورت پڑنے پر انہیں بیچ کر اپنا گزر اوقات کرتے ہیں۔ غلام حسین نے بتایا کہ اس کا ایک بیٹا اسکول میں مالی ہے، دوسرا مزدوری کرتا ہے، تیسرا بیٹا چھوٹا موٹا کاروبار کرتا ہے۔ ایک گھر کے، جب ہم چار لوگ باقاعدگی سے کام کرتے ہیں تو گھر کا چولہا جلنے کے قابل ہوتا ہے۔

غلام حسین نے بتایا کہ پہلے وہ اکیلا گھر کے دس افراد کی کفالت کرتا تھا لیکن آج گھر کے چار افراد کی مسلسل محنت کے باوجود چولہا جلانا مشکل ہو گیا ہے اس کی وجہ بتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پہلے ہم پرانے طریقہ کار یعنی قدرتی طریقے سے فصل کاشت کرتے تھے مثلاً ٹریکٹر کی جگہ بیل، کیمیائی کھاد کے بجائے قدرتی کھاد کا استعمال کرتے تھے جس پر خرچہ کم آتا تھا۔

غلام حسین نے آگے بتاتے ہوئے کہا کہ آج سے کچھ برس پہلے گنے کی فصل پر لوگ اتنی توجہ نہیں دیتے تھے اور جو تھوڑا بہت کاشت کرتے تھے اس کی فصل آج کے مقابلے میں بہت بہتر ہوتی تھی اور اس گنے کا تقریباً لوگ گڑ تیار کرتے تھے۔ آج کل کے گنے میں رس نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر پہلے ایسا گنا پیدا ہوتا تھا تو اسے ہم بھینسوں اور بکریوں کو بھی نہیں کھلاتے تھے کہ کہیں وہ بیمار نہ پڑ جائیں۔ گندم کے علاوہ اکثر موسموں کے حساب سے مکئی، باجرہ، چاول، جوار اور دیگر فصلیں کاشت کرتے تھے آج کی طرح ایک ہی جنس کا بیج نہیں بوتے تھے بلکہ کئی طرح کی اجناس ایک ساتھ اگائی جاتی تھیں۔ اس سے ہوتا یہ تھا کہ اگر چاول کی فصل ہے تو ایک دفعہ محنت کرنے سے چار قسموں کے چاول مل جاتے تھے دوسرا فائدہ اس کا یہ تھا کہ موسم کی خرابی کی وجہ سے اگر ایک قسم کے چاول کو بیماری لگ جاتی تو صرف اسی تک محدود ہوتی باقی اجناس سے پیداوار حاصل کی جاسکتی تھی، آجکل ایک ہی جنس کاشت کرنے سے اگر اس میں بیماری لگ

جائے تو پوری فصل تباہ ہو جاتی ہے جس سے ہاری کی محنت ذائع ہو جاتی ہے اور وہ دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ پہلے جب چاول کی فصل تیار ہوتی تھی تو اس کی خوشبو میلوں دور سے گزرنے والے کو بھی آتی تھی اور گندم کی روٹی کے ذائقہ نے تو لوگوں کو اتنا دیوانہ بنا رکھا تھا کہ ہم بغیر سالن کے ہی روٹی کھا لیتے تھے۔ لیکن آجکل نہ تو روٹی میں وہ مٹھاس ہے اور نہ ہی کھانے میں وہ ذائقہ، بس پیٹ بھرنے کی مجبوری میں کھاتے ہیں، اس نے پرانا دور یاد کرتے ہوئے جواب دیا۔

اس نے مزید کہا کہ جب فصلیں اچھی ہوتیں تھیں تو گھاس بھی کافی مقدار میں اگتی تھی جس کو ہمارے ریوڑ بڑے شوق سے چرتے تھے اور جس کی وجہ سے ہم دودھ، دہی، مکھن وغیرہ وافر مقدار میں حاصل کرتے تھے اور ان چیزوں کی وجہ سے ہم ہمیشہ صحت مند رہے آجکل نہ وہ گھاس ہے اور نہ ہی اتنے بڑے ریوڑ ہیں کہ جس سے ہم دودھ، دہی اور مکھن اتنا پیدا کریں کہ خود استعمال کر سکیں۔ جو تھوڑا بہت پیدا کرتے ہیں وہ بھی مجبوری اور حالات کی تنگی کی وجہ سے بیچ دیتے ہیں۔

غلام حسین نے بتایا کہ پہلے پانی کی قلت کا مسئلہ نہیں تھا۔ فصل ایک یا دو پانی دینے پر تیار ہو جاتی تھی لیکن آجکل تو فصل آباد کرنے کے لیے پانی کی ندیاں بہا دیں تو پھر بھی فصل کا خوشہ زمین سے ڈیڑھ فٹ باہر نکلنے کو تیار نہیں ہوتا!

غلام حسین نے غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ کہنے کو تو ہاری فصل کے آدھے حصے کا مالک ہوتا ہے، لیکن کیوں اسکے بچوں کو اتنا کپڑا بھی میسر نہیں کہ وہ اپنا ننگا تن ڈھانپ سکیں؟ آج مجبوری کا یہ عالم ہے کہ دنیا کہ تیز نظروں سے بچنے کے لیے خود کو اور اپنے بچوں کو مانگی ہوئی چادر سے ڈھانپنا پڑتا ہے۔

گو کہ غلام حسین پڑھا لکھا نہیں ہے لیکن ماحول کے بارے میں وہ پڑھے لکھے لوگوں سے زیادہ شعور رکھتا ہے۔ اس نے اپنی زمین کے آدھے ایکڑ پر درخت لگائے ہیں، جس کی دیکھ بھال وہ خود ہی کرتا ہے۔ اگر ان درختوں کو وہ بیچنا چاہے تو اسے تقریباً دو لاکھ روپے مل سکتے ہیں جو کہ غریبی کے حالات میں اس کے لیے بہت زیادہ ہیں، اس نے کہا کہ وہ ان درختوں کو ہرگز نہیں بیچے گا کیونکہ ہمارے ماحول کے لیے درخت بہت ضروری ہیں۔

آخر میں اس نے بتایا کہ اصل میں ہمارے ماحول کو خراب کرنے کی ذمہ دار زہریلی ادویات بنانے والی کمپنیاں ہیں جن کی دوائیں استعمال کرنے سے ہماری فصلیں اور ان سے جڑا ہوا ماحول زہریلے بنتے جا رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ آجکل سانس لینا بھی دشوار بنتا جا رہا ہے۔

عالمی تجارتی ادارے کا نیا نظریہ توازن

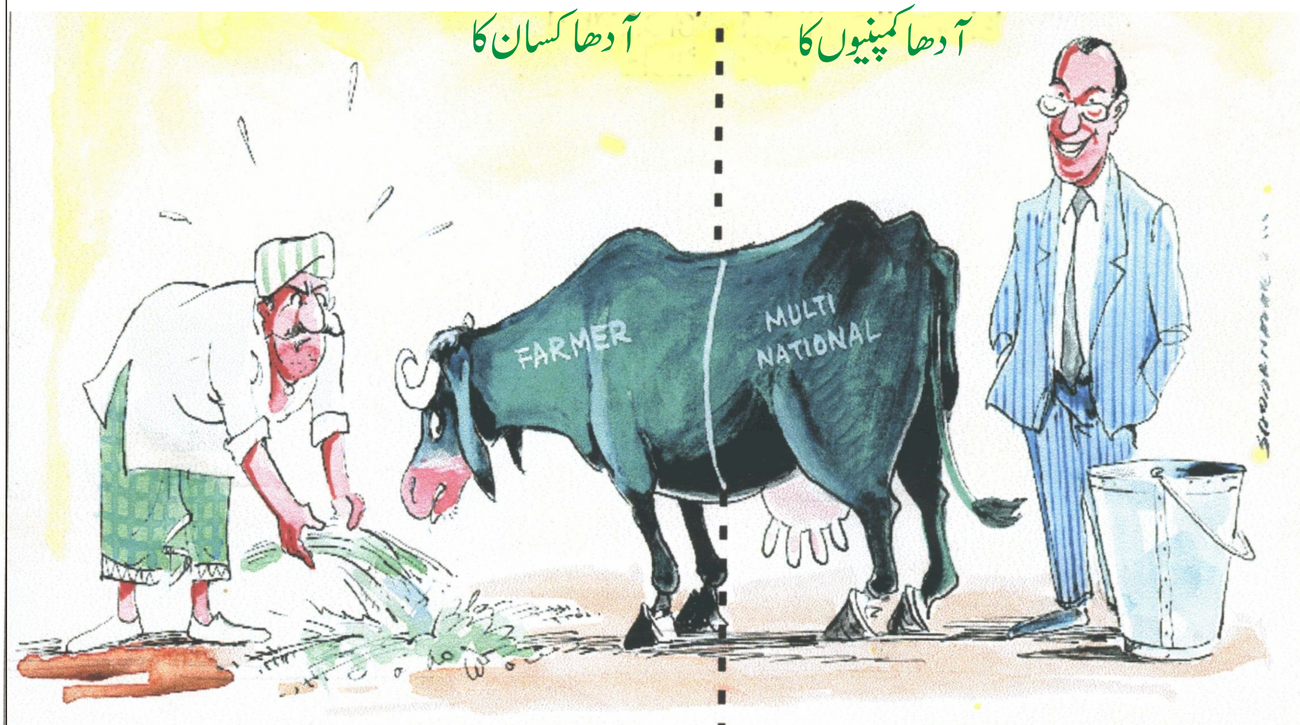

بشکریہ پنجاب لوک سجاگ